SAREER A KHAMA
صریرخامہ
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 03, Issue 02 (October to December 2024)

عربی زبان کی فضیلت، تاریخ اور لسانی محاسن: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

The Excellence, History, and Linguistic Merits of the Arabic Language: A Research-Based and Critical Study

Dr. Hafiz Khalil Ahmad Qadri
PhD in Islamic Studies, College of Shariah & Islamic Sciences, Minhaj University, Lahore, Islamic Scholar and Educator, Teaching Dars-e-Niẓāmī syllabus at Jamia Hajveria since 1998
drkhalilahmadqadri@gmail.com

Abstract

This study presents a comprehensive examination of the Arabic language, highlighting its religious pre-eminence, historical development, linguistic richness, and enduring relevance across classical and contemporary contexts. The paper begins by outlining the lexical and technical definitions of Arabic grammar (nahw), followed by an exploration of the foundational debates surrounding its earliest codification. Drawing on classical sources, it discusses the roles attributed to Imam Ali ibn Abi Talib, Umar ibn al-Khattab, and Abu al-Aswad al-Duʾalī in the establishment of grammatical principles and the subsequent evolution of Arabic linguistic sciences. The research further analyses the reasons for Arabic's superiority among world languages, emphasizing its divine association as the language of the Qur'an, Hadith, Paradise, and Islamic worship. The paper documents Arabic's unparalleled lexical vastness, morphological flexibility, phonetic depth, and semantic precision, supported by classical linguistic authorities. Additionally, it highlights the influence of Arabic on Persian, Urdu, English, and other languages, arguing for Arabic's position as "Umm al-Lughāt" (the mother of languages).

A detailed comparative study of contemporary Arabic dialects, especially the Hijazi variety, demonstrates how linguistic change occurs through phonetic ease, regional usage, and sociolinguistic factors. The paper also discusses the indispensable role of Arabic grammar in Islamic jurisprudence, Qur'anic exegesis, and legal interpretation, illustrated through notable historical examples. By presenting unique grammatical puzzles, rare linguistic constructions, and scholarly debates, this study underscores the intellectual sophistication of Arabic and affirms the necessity of mastering it for a precise understanding of Islamic sciences. The research concludes that Arabic remains an essential linguistic, cultural, and religious cornerstone for Muslims and scholars worldwide.

Keywords: *Arabic language, linguistic excellence, grammar history, Islamic scholarship, dialectal variation, linguistic analysis*

تمہید

عربی زبان انسانی تہذیب اور اسلامی علمی روایت میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآنِ مجید، احادیثِ نبویہ، فقہ، عقائد، تصوف، تفسیر اور اصولِ شریعت—سب کا اصل سرمایہ عربی زبان میں محفوظ ہے، جس سے اس زبان کا تقدس اور علمی مقام واضح ہوتا ہے۔ علمی دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی متن کی حقیقی معنویت اس کی اصل زبان ہی میں برقرار رہتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا گہرا فہم عربی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی مقالے کا مقدمہ ہے کہ عربی کی فضیلت اور لسانی قوت اس کو دیگر زبانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ تاریخی اعتبار سے عربی زبان نے نہ صرف اسلامی تہذیب کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا بلکہ اس کی گرامری تدوین، لغوی ساخت اور فصاحتی اصولوں نے اسے دنیا کی منفرد ترین زبانوں میں شامل کر دیا۔ حضرت علی، ابوالاسود دوئلی، خلیل الفراہیدی اور دیگر ائمۂ لسانیات کی کاوشوں نے اس زبان کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ مگر پس منظر کے طور پر یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ عربی کی یہ وسعتِ لغت، گہرائی، لہجات، اور گرامری پیچیدگیاں آج کے طالب علم کے لیے چیلنج بن چکی ہیں۔ یہی مسئلۂ تحقیق ہے کہ عصرِ حاضر میں عربی کی شرعی اہمیت، تاریخی ارتقاء اور لسانی محاسن کا جامع مطالعہ کم کیا جاتا ہے، جس کے باعث طلبہ اور محققین عربی کی حقیقی قدر و منزلت سے پوری طرح واقف نہیں ہو پاتے۔

اس تحقیق کا مقصد عربی زبان کی فضیلت، تاریخی بنیادوں اور لسانی خصوصیات کا گہرائی سے جائزہ لینا ہے، تاکہ علمی دنیا میں اس زبان کی ضرورت، اہمیت اور مقام واضح ہو سکے۔ اسی پس منظر میں یہ مقالہ درج ذیل تحقیقی سوالات کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے: (1) عربی زبان کی فضیلت کے بنیادی دلائل کیا ہیں؟ (2) تاریخِ نحو و لغت میں عربی کی تدوین کیسے ہوئی؟ (3) عربی زبان کی لغوی وسعت اور ساختی خصوصیات کن پہلوؤں میں دوسری زبانوں سے ممتاز ہیں؟ (4) معاصر لہجات اور تغیرات نے زبان کی اصل ساخت پر کیا اثرات مرتب کیے؟ (5) اور بالآخر، اسلامی علوم کی تفہیم میں عربی گرامر کی کیا ضرورت اور حیثیت ہے؟ یوں مقالے کے مقاصدِ تحقیق عربی زبان کی مذہبی، تاریخی اور لسانی اہمیت کو ایک منظم، تحقیقی اور تنقیدی انداز میں پیش کرنا ہے۔

عربی گرامر کی لغوی تعریف

عربی گرامر لغت میں آٹھ معانی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ 1 قصد (i)۔　　2 طرف / کنارہ۔　　3 قبیلہ (ii)۔

4 حذف۔　　5 اندازہ۔　　6 مثل (iii)۔　　7 فہم۔　　8 صیانت / حفاظت (iv)۔

شاعر اپنے انداز میں ان معانی کو یوں بیان کرتا ہے۔

نحونا نحو نحوک یا حبیبی　　نحونا نحو الف من رقیبی

وجدنا ھم مریضا نحو قلبی　　تمنونا منک نحوا من زبیبی

ترجمہ: ارادہ کیا ہم نے تیری قبیلہ کی طرف اے میری محبوب پھیر دیا ہم نے مقدار ہزار شہ سوار پایا ہم نے ان کو مریض مثل اپنے دل کی تمنا کرتا ہے آپ سے ایک نوع کشمش۔ (v)

عربی گرامر کی اصطلاحی تعریف

اصطلاحی تعریف میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ ہم دو پر اکتفا کرتے ہیں:

(1)هو علم باصول يعرف بها احوال اواخر الكلم من حيث الاعراب و البناء۔[vi]

(2) هو علم باصول يعرف بها صحة الكلام وفساده۔

ترجمہ:(1)ایسے قوانین کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعے کلمہ کی آخری حالتیں باعتبار معرب و مبنی کے پہچانی جائیں۔

(2)ایسے اصولوں کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعے کلام کا درست اور غلط ہونا معلوم کیا جاسکے۔

موضوع

کلمہ اور کلام،([vii]) موضوع کا مطلب ہے کہ جس شئی کے ذریعے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے، کلمہ اور کلام کے عوارض ذاتیہ، (فاعل، مفعول، حال تمیز، معرفہ، نکرہ، مبتدا، خبر، جملہ اسمیہ، جملہ فعلیہ) وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

غرض عربی گرامر

هو صيانة الذهن عن الخطاء اللفظى من حيث الاعراب و البناء۔[viii]

ترجمہ: ذہن کو باعتبار اعراب وبناء کے لفظی غلطی سے محفوظ رکھنا۔

موجد عربی گرامر

اس بارے میں تین اقوال ہیں:

(1) حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہ الکریم۔　(2)حضرت عمر فاروق اعظم۔　(3)حضرت ابوالاسود دوئلی۔

موجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دلیل

ابو القاسم زجاجی مالی (کتاب) میں روایت کرتے ہیں کہ ابوالاسود دوئلی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ سوچ بچار کی حالت میں سر نیچے کئے بیٹھے تھے اس حال کو دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیوں متفکر بیٹھے ہیں؟ فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو غلط بولتے ہوئے سنا تو خیال آیا کہ میں اصول عربیت پر ایک کتاب لکھوں تاکہ لوگ عربی عبارت میں کوئی غلطی نہ کر سکیں اس کے بعد میں چلا گیا تقریباً تین روز کے بعد دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے ایک کتابچہ عطا کیا جس میں حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی تھی:

بسم الله الرحمن الرحيم

الكلمة اسم و فعل وحرف، فالاسم ما انباء عن المسمى والفعل ما انباء عن حركة المسمى والحرف ما انباء عن معنى ليس باسم ولافعل ثم قال لى تتبعه و زد فيه ما وقع لک واعلم يا اباالاسود ان الاشياءثلثة ظاهر و مضمر و شيء ما ليس بظاهر ولا مضمر الخ۔

ترجمہ: کلمہ، اسم فعل، حرف ہے پس اسم تو وہ کلمہ ہے جو مسمی (جس کا نام رکھا گیا ہے۔) کے متعلق خبر دے اور فعل وہ کلمہ ہے جو مسمی کی حرکت کے بارے میں خبر دے اور حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی کے بارے میں خبر دے جو نہ اسم ہو نہ فعل۔

پھر مولائے کائنات نے مجھے (ابوالاسود) کو فرمایا کہ تم اور بھی چیزیں تلاش کرو اور جتنا تمہارے لیے ہو سکے عربی گرامر کے قواعد میں اضافہ کرو اور اے ابوالاسود خوب جان لو کہ تین چیزیں ہیں (1) ظاہر (جو واضح ہو) (2) مضمر (جو پوشیدہ ہو) (3) ایسی چیز جو نہ ظاہر ہو نہ پوشیدہ، اس روایت سے یہ دعوی ثابت ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس عربی گرامر کے موجد ہیں اور آپ کی محنت اور فکر سے عربی گرامر کو پروان چڑھا۔

موجد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر دلیل

ایک دیہاتی کو کسی معلم نے سورۃ توبہ کی آیت کریمہ إنَّ اللہ بری من الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولہ[ix] (لام کی زیر کے ساتھ) پڑھائی تو اس اعرابی نے نَعُوذُ باللہِ مِن ذلک کہا کہ میں تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے زار ہوں، کیونکہ اس آیت میں ورسولہ لام مکسور کا عطف المشرکین پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی مشرکین اور رسول سے بے زار ہے حالانکہ حقیقت میں لام و رسولہ میں مضموم ہے جس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بے زار ہیں اس عطف کی غلطی سے اس اعرابی (بدوی) کا اعتقاد بدل گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر اس اعرابی کو بلایا اور فرمایا کیا؟ تو نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیزار ہونے کا اعلان کر دیا ہے، اس بدوی نے عرض کیا کہ حقیقت یہ ہے کہ میں قرآن مجید پڑھنے کے ارادہ سے مدینہ منورہ آیا، وہاں ایک شخص نے مجھے و رسولہ کا لام مکسور پڑھایا اس سے میں نے سمجھا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول اعظم سے معاذ اللہ بے زار ہے تو میں اس سے زیادہ بیزار ہوں میرا کیا قصور ہے؟ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام حکم فرمایا کہ جو علم لغت کا عالم ہو وہی قرآن مجید کی تعلیم دینے کا مستحق ہے، اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوالاسود دئلی کو عربی گرامر کی تدوین کا فوراً حکم صادر فرمایا اس وقت انہوں نے باب عطف، باب اضافت کو مرتب فرمایا، اس روایت سے دوسرے قول کے دعوی کی دلیل آ گئی ہے۔

ابوالاسود دئلی کے مشہور موجد ہونے کی دلیل

ایک دفعہ مقام بصرہ میں ابوالاسود کے بیٹے نے اپنے باپ کو مخاطب ہو کر کہا: یا ابت ما أشد الحر (ضمہ دال کے ساتھ) "اے والد کس مہینہ میں گرمی زیادہ ہوتی ہے" اس استفہام کے جواب میں ابوالاسود نے اس ماہ کا نام بتایا جس میں گرمی زیادہ ہوتی ہے، بیٹے نے والد گرامی سے کہا میں نے استفہام نہیں کیا بلکہ شدہ گرمی سے تعجب کیا ہے اس فاش غلطی کو برداشت نہ کرتے ہوئے ابوالاسود نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی اور کہا کہ غیر عربی لوگوں کے تعلقات سے عربی لغت کے ضائع ہونے کا سخت خطرہ ہے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ابوالاسود ایک درہم کے عوض (بدلے) ساری کتاب لائے اس پر آپ نے یہ عبارت لکھی ان الکلام کلہ لا یخرج عن اسم و فعل و حرف جار لمعنی، کوئی کام بھی جو معنی دے وہ اسم ہو گا یا فعل یا حرف اس سے باہر نہ ہو گا۔ اس قدر لکھ کر کاپی کو ابوالاسود کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ اس طرح عربی گرامر کو پورا کرو۔ ان تین اقوال میں مشہور اور راجح قول حضرت ابوالاسود دئلی والا ہے۔[x]

عربی گرامر کی تدوین کے چند دیگر اسباب

سبب اول: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں بنت خویلد اسدی نے کہا ان ابی مات وترک لی مالا اس نے لفظ مالا کو امالہ (فتحہ کو کسرہ اور الف کو یا کی طرف مائل کرنا) کرتے ہوئے پڑھا۔ حالانکہ اس موقع پر امالہ کا کوئی قاعدہ نہیں پایا جاتا اس لئے حضرت معاویہ کو ایسا تحفظ ناگوار گزرا، یہ واقعہ حضرت علی تک پہنچا تو آپ نے علمی خامی محسوس کرتے ہوئے باب ان، باب اضافت اور باب امالہ تحریر فرمایا۔

سبب ثانی: ایک روز ابوالاسود کی لڑکی نے ان کے سامنے بغرض استفہام ما احسن السماء (کسرہ سین) کہا باپ نے پوچھا ستاروں سے استفہام کرتی ہو؟ کہا نہیں بلکہ آسمان کے حسن سے تعجب کرتی ہوں پھر ابوالاسود نے فرمایا اے بیٹی! بغرض تعجب ما احسن السماء فتحہ سین سے کہا کرو۔

اس غلطی کو محسوس کرتے ابو الاسود نے باب تعجب، باب استفہام تحریر فرمایا اس واقعہ کے بعد ابو الاسود نے تدوین عربی گرامر کی طرف پوری توجہ دی۔

سبب ثالث: حضرت ابو الاسود فرماتے ہیں کہ باب استفہام، باب عطف، باب نعت، باب تعجب اور باب ان و اخواتہا کو میں نے مرتب کیا اور باب ان میں لفظ لکن کو درج نہ کیا، پھر یہ تمام ابواب بطور صحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت عالیہ میں پیش کئے۔ آپ نے فرمایا بھائی لکن کو بھی حروف ناصبہ میں شمار کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابو الاسود اصول عربی گرامر لکھا کرتے تھے۔ اور حضرت علی اُس کی صحت اور اصلاح فرماتے تھے۔

سبب چہارم: منقول ہے کہ حضرت علی نے ایک اعرابی کو لا یا کلہ الا الخاطئین پڑھتے سنا تو آپ تدوین عربی گرامر کی طرف متوجہ ہوئے، اسی طرح روز بروز عربی گرامر کی ضرورت بڑھتی گئی حتی کہ ہر دور کے علماء نے اپنی پوری کوشش سے عربی گرامر کی اشاعت کی۔ [xi]

عربی کی وجہ تسمیہ

(1) اس کو العربیہ اس لے کہا جاتا ہے کہ یہ عربوں کی مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ بنی۔

(2) نیز العربیہ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اس زبان کو بولنے والا یعرب بن قحطان تھا اس لیے ان لوگوں کو عرب اور ان کی زبان کو العربیہ کہا جانے لگا۔

(3) عربی عرب سے مشتق ہے اسکا معنی ہے تیزی چونکہ اہل لسان اس کو تیزی سے بولتے ہیں اس لئے اس کو عربی کہتے ہیں۔

عربی زبان کی افضلیت کی وجوہ

پہلی وجہ: عربی زبان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ ام اللغات اس لیے ہے کہ اس کا خالق خود اللہ تعالی ہے تعلیم الاسماء کا پہلا مدرسہ جنت ہے اور جنت کی، قبر وحشر کی، مذہب کی زبان عربی ہے بلکہ اس دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے جو آواز ہر مسلمان بچے کے کان میں پہنچتی ہے وہ اللہ اکبر کی صدائے دلنواز ہے اور جب اس دنیا سے بندہ رخصت ہوتے وقت آخری آواز سنتا ہے وہ تلقین شہادتین ہے۔

دوسری وجہ: پنجگانہ نماز میں جمعہ و نکاح و عیدین کے خطبات اور خوشی و غمی کی خبریں عربی میں مستعمل ہیں نیز اس زبان کی بڑی عظمت کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید بھی عربی میں اور آخر الانبیاء کی زبان بھی عربی ہے۔

تیسری وجہ: مزید براں یہ کہ جنت کی دائمی زبان بھی عربی مکہ و مدینہ کی زبان بھی عربی ہے۔

چوتھی وجہ: بلکہ شیخ الالسنۃ امام المحدثین امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الاتقان میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آسمانی کتب اور صحائف جتنے بھی نازل ہوئے ان کی اصل زبان عربی تھی انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کی زبان میں اس کا ترجمہ کر کے ان کو پہنچایا ہے لیکن ان میں قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب بے مثل ہے جو اپنی اصل زبان عربی میں باقی ہے۔

پانچویں وجہ: اس زبان کی وسعت کا اندازہ حضرت امام شافعی محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس زبان کے پورے لغات کا احاطہ سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا لیکن امام ابن درید اور امام خلیل الفراہیدی نے فرمایا کل لغات پانچ کروڑ چھ لاکھ انسٹھ ہزار چار سو ہیں جن میں پانچ کروڑ چھ لاکھ میں ہزار مستعمل ہیں بقیہ مہمل و متروک ہیں (المنجد) پھر ان میں ثنائی یعنی دو حرفی کلمات کی تعداد سات ہزار اور ثلاثی یعنی تین حرفی کلمات کی تعداد انیس ہزار اور رباعی یعنی چار حرفی کلمات کی تعداد تین لاکھ تین ہزار چار سو اور خماسی یعنی پانچ حرفی کلمات چھ کروڑ تین لاکھ پچھتر ہزار چھ سو ہے۔

چھٹی وجہ: نیز عربی زبان کی وسعت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے ایک ہی مفہوم کو سینکڑوں عنوانات اور الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے مثلاً شیر کو عربی میں اسد کہتے ہیں مزید 500 نام ہیں۔ سانپ کے لیے 200، مصائب کے لیے 400، تلوار کے لیے 1000، اونٹ کے لیے 5000، پانی کے لیے ایک 170، درازیٔ قد کے لیے 91، بستی کے لیے 120، سال کے لیے 24، روشنی کے لیے 21، تاریکی کے لیے 52، اور کنوئیں کے لیے بئر کے علاوہ 28 الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

ساتویں وجہ: فارسی زبان میں چھ جبکہ عربی میں زیادہ 14 یا 18 صیغے استعمال ہوتے ہیں۔

آٹھویں وجہ: انگلش، فارسی وغیرہ ان زبانوں میں قریب و بعید کے لیے فقط اشارات استعمال ہوتے ہیں، جبکہ عربی میں قریب کے لیے ہذا بعید کے لیے ذلك اور درمیانی چیز کے لیے بھی ذاك اسم اشارہ کی وضع کی گئی ہے۔

ناویں وجہ: عربی زبان کی یہ بھی خوبی ہے بظاہر حروف کی شکلیں ملتی جلتی ہیں لیکن معنی ہر ایک کا الگ ہو گا مثلاً اہل عرب کا مقولہ: رأیت فی کافر ابن کافر یکفر کافرا فی کافر عند کافر، کافر وغیرہ کے حروف اصلی تو ک، ف، ر ہیں لیکن مذکورہ عبارت میں مشتق منہ ایک ہونے کے باوجود معانی الگ ہیں گویا یہ لفظ سات معانی میں مشترک ہو گیا جو کہ یہ ہیں: (1) رات۔ (۲) کاشتکار (۳) مشرک (۴) زمین (۵) نہر (۶) بادل، (۷) ناشکرا، اب آپ ان معانی کا اعتبار محاورہ ترجمہ سے کر سکتے ہیں **ترجمہ:** میں نے رات میں ایک کاشتکار کو دیکھا جو کہ بیٹا تھا مشرک کا کہ کھیتی کر رہا تھا وہ زمین میں ایک بڑی نہر کے پاس۔

دسویں وجہ: نیز آپ نے عربی زبان کے کمال کا اس سے اندازہ کر لیا ہو گا محض زبان کی درستی اصلاح اور حفاظت کے لیے ایک درجن سے زیادہ علوم موجود ہیں مثلاً علم الصرف، علم النحو، علم البیان والمعانی والبدیع، علم الاشتقاق، علم اللغۃ وغیرہ نیز عربی زبان ہی کو ام اللغات کا شرف اس لیے حاصل ہے کہ یہ تمام زبانوں کا منبع ہے۔ عصر حاضر کے محقق صفدر قریشی وحدت اللسان کی جلد اول میں فرماتے ہیں کہ تمام عربی و عجمی لغات، اس کا اصلی یا بگڑا ہوا تلفظ ہیں لفظ خواہ فارسی یا انگلش یا ہندی کا ہو اس کی اصل عربی ہی ہے اس نظریہ کی تائید و توثیق کے لیے ہمیں کسی نظر بحث میں الجھنے کے بجائے ہم عربی انگریزی، فارسی، اُردو اور پنجابی وغیرہ لغات کا عملی جائزہ لیں گے ہمیں معلوم کرنا ہے کہ کسی عربی لفظ کا دوسری زبان میں بدل کیا ہے یا کسی بھی لفظ کی عربی اصل کیا ہے۔ مثلاً بلی کو عربی میں قط کہتے ہیں اس کا انگریزی تلفظ Cat ہے۔ زمین کے لیے عربی میں ارض کہتے ہیں اس کا انگریزی تلفظ Earth ہے۔ عربی لفظ سراج کا فارسی تلفظ چراغ اور انگریزی Torch ہے۔ سکر کو فارسی، اُردو اور پنجابی میں شکر اور انگریزی میں Sogar کہتے ہیں۔

گیارہویں وجہ: نیز عربی زبان کا یہ بھی خاصہ لازمہ شاملہ ہے کہ جب کوئی بھی لفظ موضوع بامعنی قرار پاتا ہے اب اس کا معنی اس قدر مستحکم و مضبوط ہو جاتا ہے پھر اسے جس پہلو سے بھی الٹ پلٹ پھیرا جائے وہ موضوع ہی رہتا ہے۔ مہمل نہیں بنتا ایک صورت وہیئت سے دوسری شکل کی طرف منتقل ہونے پر بھی معنی کا ساتھ نہیں چھوڑتا انگلش اور دیگر زبانوں میں ایسا نہیں ہے مثلاً بلی کو انگلش میں Cat کہتے ہیں اگر اس کی ایک ہی صورت بنائیں Tac تو مہمل ہو جائے گا نیز مزید اس کے قلب مکانی کے احتمالات بھی ناممکن ہیں جبکہ عربی زبان میں کسی مادہ کو اشتقاق کبیر کی رُو سے ہیئت ممکنہ کی طرف تبدیل کریں اس کی کل چھ صورتیں بنیں گی اور ہر اعتبار سے یہ موضوع ہی رہے گا۔ مہمل کسی صورت میں نہ ہو گا۔ مثلاً مادہ (ق م ر) کو لیجیے اس کی ممکنہ چھ صورتیں بنیں گی اور ہر اعتبار سے یہ موضوع ہی رہے گا مہمل کسی صورت میں نہ ہو گا۔ (1) قمر: چاند (2) رقم: "لکھنا (3) مقر: زہر (4) رمق: "تھوڑی سی جان جو باقی رہ گئی ہو (5) قرم: سردار (6) مرق "شوربا تو (ق م ر) کی چھ صورتیں بن گئی ہیں ایک تو یہ تمام الفاظ بامعنی ہیں

دوسرا ان میں مادہ یوں اصلی صفت کے ساتھ باقی ہے جیسے بیج ہر تخم میں اس شرح المطالعۃ العربیۃ المعروف زینت المطالعہ کے اثرات موجود رہتے ہیں۔ نیز اصلی صفت باہستگی ظاہر میں بھی موجود ہے۔ مثلاً شوربہ آہستہ آہستہ تیار ہوتا ہے اور چاند آہستہ آہستہ گھٹتا بڑھتا ہے۔ یعنی مادہ کی تقلید سے جتنی صورتیں پیدا ہوں گی وہ اگرچہ اپنے اپنے مقام پر علیحدہ علیحدہ نوع کا درجہ رکھتی ہیں لیکن چونکہ ان کا مادہ ایک ہے اس لیے ان میں ایک نہ ایک مفہوم مشترک بھی پایا جاتا ہے اسی طرح یہ صفت ام اللغات عربی زبان کی صفت عالیہ فائقہ بن گئی ہے۔ مزید مستشرقین کی آراء کی کمزوریوں کا مطالعہ کرنے کے لیے علامہ سید سلیمان اشرف بہاری کی کتاب "المبین، کا صفحہ 120 تا124 کا مطالعہ فرمائیں۔ جس سے یورپی مستشرق جرجی زیدان کے اعتراضات کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

بارہویں وجہ: یادرہے کہ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معانی و مفاہیم اور مراد کا سمجھنا عربی زبان کے سمجھنے پر موقوف ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ موقوف علیہ پہلے اور موقوف بعد میں ہوتا ہے اس لیے عربی مدارس میں موقوف علیہ کے بعد موقوف یعنی دورہ حدیث پڑھایا جاتا ہے لہذا کتاب اللہ اور حدیث رسول کو سمجھنا عربی زبان کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں اور جس چیز کے بغیر واجب کا حصول ممکن نہ ہو اس کا حصول بھی واجب ہوتا ہے اس پر یہ دلیل ہی کافی ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے صرف ایک امام عربی ہیں جن کو امام دار الهجرة امام مالک علیہ الرحمہ کہا جاتا ہے اس کے باوجود امام شافعی علیہ الرحمہ کی ہر کتاب، اسی طرح امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ اور امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی سب کتب عربی میں ہیں۔

تیرہویں وجہ: اس طرح بلاشبہ محدثین کی ایک بڑی جماعت کا تعلق بھی غیر عرب سے تھا۔ اس کے باوجود مقتدائے امت نے نہ صرف عربی زبان سیکھی بلکہ اپنی تخلیقی اور تصنیفی خدمات سے عربی زبان کو مزید حیات جاودانی بخشی ان وجوہ کی بنا پر علماء امت کی ہمیشہ یہی رائے رہی ہے کہ جس طرح نماز کا سیکھنا پڑھنا فرض ہے اسی طرح عربی زبان کا سیکھنا اور سکھانا بھی خیر الامم کے افراد کے لیے فرض ہے کیونکہ جو چیز فرض ہوتی ہے اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی فرض ہوتا ہے۔

چودہویں وجہ: ہماری پاکستانیوں کی قومی زبان اردو بھی عربی اور فارسی کے کثیر الفاظ پر مشتمل ہے لہذا، اردو زبان میں بھی کمال اور مہارت عربی زبان کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی کیونکہ اردو زبان کے تمام بڑے بڑے شعراء اور نثر نگاروں کا عربی اور فارسی زبان سے گہرا تعلق رہا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال اور اسد اللہ غالب، میر تقی میر اور مولانا جلال الدین رومی کی مثال کافی ہے۔

پندرہویں وجہ: تحقیق ہمیں یہی آگاہی دیتی ہے کہ اردو زبان میں علم معانی، علم بیان، علم بدیع اور علم عروض وغیرہم کی اصطلاحات عربی زبان سے مستعار (مانگ کر لینا) ہیں فقط یہی نہیں بلکہ قیام پاکستان سے پہلے اور بعد اس خطے کی دفتری اور سرکاری دستاویزات میں عربی الفاظ اور اصطلاحات بہت کثرت کے ساتھ استعمال ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہماری قانونی عبارتوں میں عربی الفاظ کا استعمال عام ملتا ہے۔ مثلاً پاکستان کے کرنسی نوٹ پر آپ "حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا" کی عبارت لکھی ہوئی دیکھتے ہیں اس میں "حامل"، "ہذا" اور "مطالبہ" تینوں عربی الفاظ ہی ہیں جو اردو میں استعمال کیے گئے اسی طرح آپ "بینک دولت پاکستان" لکھا دیکھتے ہیں یہ بھی دراصل ایک عربی جملے بنك دولة باكستان، کا اردو انداز ہے اور بنک دولة باكستان کا آجکل ترجمہ سٹیٹ بنک آف پاکستان ہے۔

سولھویں وجہ: فرمان رسالت ہے:"أحبو العرب لثلاث لأني عربي والقرآن عربي ولسان اهل الجنة عربی" کہ عرب سے تین وجوہ کی بناء پر پیار کرو۔ (1) کیونکہ میں عربی ہوں، (2) قرآن (دستور حیات) عربی ہے اور (3) جنتیوں کی زبان عربی ہے۔(xii)

ستارھویں وجہ: حضرت سید المفسرین ابن عباس کا فرمان ہے:ماانزل اللہ کتابا الا بالعربیۃ ثم ترجم لکل نبی علی لسان امتہ۔"جو بھی کتاب نازل ہوئی وہ دراصل عربی زبان میں اتری پھر ہر نبی نے اسے اپنی امت کی زبان میں ترجمہ کرکے پیش کر دی۔

اٹھارھویں وجہ: سب سے پہلے انسان کی زبان کون سی تھی چونکہ انسان افضل المخلوقات اور اشرف الخلائق تھا اس لیے اللہ رب العزۃ نے اسے تمام لغتوں سے احسن لغت عربی لغت عطا فرمائی ہے چنانچہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہم السلام کی زبان عربی تھی پھر شجر ممنوعہ کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے جہاں اور کئی نعمتیں واپس لے لیں وہاں یہ نعمت عربی زبان بھی واپس لے لی پھر سریانی زبان بولتے رہے اور جس طرح آپ کو دوسری نعمتوں کے فقدان پر رنج وغم ہوا ایسے ہی اس نعمت کے سلب ہونے پر شدید افسوس ہوا" ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى"(xiii) پھر ان کے رب نے ان کو چن لیا توبہ قبول کر لی اور ہدایت یافتہ بنا لیا۔ پھر آپ کو دوبارہ یہ نعمت بھی نصیب ہوئی جس کی آپ کو بہت خوشی ہوئی۔

اعتراض

عصر حاضر کے کچھ سوء العقیدہ فارسی زبان کی اہمیت کے لیے نہیں بلکہ عربی کی اہمیت کم کرنے کے لیے اور یورپ کے مستشرقین کو خوش کرنے کے لیے یوں کہا کرتے ہیں نورالانور میں موجود ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں قرأۃ کرنے کے لیے جواز کا فتویٰ دے دیا اور فارسی کو اُردو اور انگریزی اور دیگر زبانوں کے لیے بھی بطور مقیس علیہ پیش کرتے ہیں۔

جواب

ان حضرات کی خدمات میں چند گذارشات پیش خدمات ہیں:(۱) جہاں جہاں جو از صلوۃ بالفارسیۃ کا آپ نے فتوی دیا وہاں آخر میں ان کا رجوع بھی منقول ہے چنانچہ فتح القدیر کے ساتھ حاشیہ کفایہ کی عبارت حاضر خدمت ہے۔

(1) روی ابو بکرن الرازی ان ابا حنیفۃ رجع الی قولھما وعلیہ الاعتماد وتنزلہ منزلۃ الاجماع۔

ترجمہ: ابو بکر رازی نے روایت کیا کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا اور اسی پر اعتماد (فتویٰ) ہے کیونکہ یہ قائم مقام اجماع امت کے ہے۔(xiv)

(2) حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے:

من کان یحسن ان یتکلم بالعربیۃفلا یتکلم بالفارسیۃ فانہ یورث النفاق۔(xv)

ترجمہ: جو شخص اچھی طرح عربی زبان میں تکلم پر قادر ہو تو وہ فارسی میں کلام نہ کرے کیونکہ وہ کھوٹ پیدا کرتی ہے۔

لہٰذا امام اعظم ابو حنیفہ جیسی ہستی جو اذان عربی کے علاوہ کسی زبان میں جائز نہیں قرار دیتی کیا وہ فارسی کا ہر عامی کو حکم دیتے ہوں گے۔ ایں خیال است ومحال است.

(3) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی فقہاء نے تشریح کرکے اس کا محمل متعین کر دیا۔ چنانچہ امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

الخلاف فیماذا جری علی لسانہ من غیر قصد اما من تعمد ذلک فیکون زندیقا او مجنونا فالمجنون یداوی والزندیق یقتل۔(xvi)

ترجمہ: یہ اختلاف اس صورت پر محمول ہے جب فارسی بغیر ارادہ کے زبان پر جاری ہو جائے لیکن جو جان بوجھ کر ایسا کرے گا وہ زندیق یا پاگل ہو گا بصورت ثانی اس کا علاج کیا جائے گا اور بصورت اول اس کو قتل کیا جائے گا۔

اعتراض

بعض جہلاء اعتراضات کرتے ہیں کہ نحو میر، ھدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، شرح الرضی، شرح المفصل، جاربردی حاشیہ شافیہ دیگر عربی گرامر کی کتب پڑھنے پڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ چند محاورات چند کلمات سیکھ لیناہی کافی ہے؟

جواب

عربی زبان بعض اسلامی ممالک، مصر، سعودیہ، یمن، بیروت، لبنان وغیرہم کی زبان ہے اس حیثیت سے تو پھر بول چال کی کتابیں اور مفید محاورات کا جان لیناہی کافی ہے، اور اس حیثیت سے کہ یہ قرآن کی اور آپ کی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے یہ مشکل ترین ہے اس کے لیے عربی گرامر اور دیگر علوم عربیہ کا پڑھنا اشد ضروری ہے آج کل کے نوجوان سکولز کالجز کی پیداوار دعوی کرتے ہیں کہ ہم چالیس روزہ فہم قرآن کورس کر کے قرآن کو سمجھ گئے ہیں حقیقت میں یہ قرآن فہمی کا دعوی جھوٹ وفریب کے سوا کچھ نہیں یہ لوگ اس مقولہ کا مصداق ہیں۔

الناس أعداء لما جھلوا۔

ترجمہ: کہ لوگ اپنی جہالت کے سبب دشمن بن جاتے ہیں۔

مادحین صرف ونحو نے کیا خوب کہا:

الصرف ام	العلوم والنحو ابوہا
الصرف والنحو فی العلم	کالروح فی الجسم
الصرف فی العلوم	کالضوء فی النجوم
النحو فی العلوم	کالبدر فی النجوم

ترجمہ:

(1) علم صرف علوم کے لیے والدہ کی مانند اور نحو باپ کی طرح ہے صرف اور نحو علم میں وہ مقام رکھتے ہیں جو جسم کے اندر روح کا ہے۔

(2) علم صرف علوم میں ایسے ہے جیسا کہ ستاروں میں روشنی ہے، نحو علوم میں ایسے ہے جیسے ستاروں میں چودھویں کا چاند ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق اب بھی چوبیں ممالک کے اٹھارہ کروڑ سے زائد لوگ عربی بولتے ہیں۔ بیس ممالک کی تو سرکاری زبان ہی عربی ہے اس لیے کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

حفظ اللغات علینا	فرض کفرض الصلوۃ
فلیس یحفظ الدین	الا کحفظ اللغات

ترجمہ: ہم پر عربی زبان کی لغتوں کو یاد کرنا ہوں لازم ہے جیسا کہ نماز ہے کیونکہ دین کو لغات کے حفظ کئے بغیر محفوظ نہیں کیا جاسکتا۔

عربی زبان کی شرعی حیثیت

(1) شرعی حکم بیان کرتے ہوئے امام یعلی امالی فرماتے ہیں کہ فقیہ کو عربی لغت کے علم کی اشد ضرورت ہے۔ اسے عربی سیکھنا فرض کفایہ ہے لہٰذا تمام مسلمانوں کو دین سمجھنے کے لیے عربی ضرور سیکھنا چاہیے۔

(2) حجۃ الاسلام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عربی زبان وادب کے نابغہ روزگار اور ماہر تھے۔ فرماتے ہیں:

ما اردت بها یعنی العربیۃ الا الاستعانۃ علی الفقہ۔(xvii)

ترجمہ: میری عربی کے حصول سے مراد ہوتی ہے فقہ پر مدد حاصل کرنا۔

(3) نیز امام فخر الدین رازی جیسے عظیم مفکر و فلاسفر کا فرمان ہے قرآن وحدیث کے علوم بقدر کفایت حاصل کرنا فرض ہے چونکہ قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لیے عربی زبان وادب بطور مفتاح وکنجی ہے اس لیے عربی زبان وادب کی تحصیل بھی فرض ہے:

وما لا یتم الوجب الا بہ فهو واجب۔(xviii)

ترجمہ: جس کے ساتھ لازمی چیز کی تکمیل ہوتی وہ بھی لازمی ہوا کرتی ہے۔

عصر حاضر اور عربی زبان کی حالت

اعتراض

یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ حضرات کو مذکورہ اصلاح یا اردو ترجمہ پر اعتراض ہو۔

جواب

تو عرض ہے کہ دنیا کی دوسری بڑی زبانوں کی طرح عربی کے بھی ہزار ہا علاقائی عامیانہ لہجے ہیں کبھی گرامر کچھ تقاضا کرتی ہے اور اکابر کی تحریرات بھی گرامر کے مطابق ناطق ہیں لیکن مشاہدات ومکالمات اور مقارنات میں الفاظ کچھ اور ہی ہوتے ہیں مثلاً عصر حاضر میں فصیح عربی میں مِن فَضلِک کا لفظ (براہ مہربانی) کے لیے استعمال ہوتا ہے فصیح عربی کے قاعدہ کے مطابق اگر مخاطب مذکر ہو توک ضمیر پر فتحہ اور بصورت تانیث ک ضمیر کے نیچے کسرہ ہوگا لیکن حجازی لہجے میں اگر مخاطب مذکر ہو تو فضلك لام پر زبر اور مخاطب مؤنث ہونے کی صورت میں اہل حجاز لام کی زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں یوں ہی حجازی أی شيءٍ کو ایش، أی شيءٍ بِكَ کو اشبك و غیر هم بلاشبہ جس طرح اردو میں علاقائی طور پر فرق ہے پاکستان، دکن حیدر آباد، انڈیا مراد آباد قدرے فرق سے اردو بولی جاتی ہے یوں ہی پشاور، صوابی، ہنگورہ، بنوں، کوہاٹ، کھگول کی پشتو اور ایران اور افغانستان کی فارسی میں ہر دور میں معمولی فرق رہا ہے یوں ہی ماہرین لسانیات نے عربی کے عالی لہجوں کو چھے بنیادی اقسام میں تقسیم کیا ہے:

(1) مصری لہجے۔　(۲) شامی لہجے۔　(۳) عراقی لہجے۔　(۴) مغربی لہجے۔　(۵) جزیرہ عرب کے لہجے۔

(۶) بدوی لہجے۔

سعودی عرب چونکہ جزیرہ عرب اور اسلامی تہذیب کا مرکز ہونے کی حیثیت سے عربی زبان کا مرکز ہے اس لیے ہم فصیح عربی کے ساتھ ساتھ عربی زبان کے لہجات جدول کی صورت میں پیش کرتے ہیں:

نمبر شمار	لہجات	علاقہ جات
.1	لہجہ حجازیہ	یہ لہجہ مکۃ المکرمہ اور جدہ میں رائج ہے۔

2.	لہجہ حجازیہ بدویہ	یہ لہجہ مدینہ منورہ، طائف اور حجازی قبائل میں بولا جاتا ہے۔
3.	لہجہ جنوبیہ	یہ لہجہ سعودی عربی کے جنوبی علاقوں میں رائج ہے
4.	لہجہ نجدیہ	یہ لہجہ ریاض، سدیر، دلم، مجمعہ، درعیہ خرج کے ساتھ ساتھ شقراء، جریملاء، تادق نعجان میں یہ لہجہ رائج ہے۔
5.	لہجہ قصیمیہ	بریدہ، غنیزہ بکیریہ، بداء، مذنب اور شامیہ کے علاقوں میں یہ لہجہ رائج ہے۔
6.	لہجہ تہامیہ	یہ لہجہ مکہ مکرمہ، جدہ اور بالخصوص تہائی قبائل میں رائج ہے۔
7.	لہجہ حوطہ	یہ لہجہ بنی تمیم میں رائج ہے۔
8.	لہجہ شمالیہ	یہ لہجہ سعودی عرب کے شمالی علاقوں میں رائج ہے
9.	لہجہ منطقہ شرقیہ	یہ لہجہ سعودی عرب کے مشرقی علاقوں میں رائج ہے

اب ہم چند کثیر الاستعمال تعبیرات کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

تاکہ سعودی حجازی لہجے اور فصیح عربی میں تقابل پیش کرنے سے قدیم عربی داں لوگوں کی معلومات میں اضافہ ہو۔

نمبر شمار	فصیح عربی	سعودی حجازی لہجات	اردو تراجم	نمبر شمار	فصیح عربی	سعودی حجازی لہجات	اردو تراجم
1.	ما اسمك؟	ايش اسمك ؟	آپ کا نام کیا ہے؟	2.	اينَ تَسْكُنُ؟	عَيْنَ تسْكُنُ؟	آپ کہاں رہتے ہیں؟
3.	مَا شُغلك؟	ايش تشتغل؟	آپ کیا مصروفیت رکھتے ہیں؟	4.	ماذا تفعل؟	ايش تسوى؟	آپ کیا کر رہے ہیں؟
5.	مِنْ أَيْنَ تَجِيئي ؟	فين جاى؟	آپ کہاں سے آرہے ہیں؟	6.	لِيسَ هُنَاكَ مُشْكِلة	مَا فِي مُشكِلَة	کوئی مسئلہ نہیں۔
7.	هات بالماء؟	جِيْب قَوْلَهِ	پانی لا۔	8.	اينَ انْتَ؟	فينک؟	آپ کہاں ہیں؟
9.	إِلَى أَيْنَ تَذْهَبْ ؟	فين رائح	آپ کہاں جارہے ہیں؟	10.	انت جميل	انت حلو	آپ اچھے ہیں۔
11.	انا طيب جدا	انا لويس	میں ٹھیک ہوں۔	12.	رائع جدا	مَرَّة رائع	میں بالکل ٹھیک ہوں۔
13.	امض	استر	دفع ہو جاؤ۔	14.	الآن	دحين	اب، ابھی
15.	نعم	ايوه	جی ہاں، بالکل	16.	لماذا	ليش	کیوں / کس لیے ؟
17.	مَاذَا	أيش	کیا، کیا چیز	18.	لَمَا أَنْ	لما	جیسا کہ / ابھی

19.	اشبك	اشبك	آپ کو کیا ہوا؟	20.	يا وكد	ياوار	اے لڑکے
21.	لأنه	علشان	اس لیے کہ	22.	لانه	عشان	اس لیے کہ
23.	علبة	حق	کنستر، ڈبہ	24.	وردی	یمبی	گلابی
25.	جدتي	ستی	میری دادی/نانی	26.	جدی	سیدی	میرا دادا/نانا
27.	متشفى	صحبة	ہسپتال	28.	لمدح شخص	كفو	اچھا، قابل تعریف
29.	لكن	مير	لیکن	30.	حذآء	كندوه / مداس/ ذنوبة	جوتا
31.	ما أنت	منتي /منت	تو نہیں(واحد موالت مخاطب)	32.	اين	فين	کہاں
33.	جدا	مرة	خوب، بہت زیادہ	34.	ما انا	منی	میں نہیں
35.	ماهي	مُوبى	وہ نہیں(واحد مؤنث)	36.	ليس الآن	لسه	ابھی نہیں
37.	ما هو	مُوبُو	وہ نہیں(واحد مذکر)	38.	يا امش بالرمة	يالله يالله	جلدی چلو
39.	ما أنت	هنت	تو نہیں(واحد مذکر مخاطب)				

حجازی لہجے میں اعداد کے استعمال میں فرق:

نمبر شمار	فصیح عربی	سعودی حجازی لہجہ	اردو تراجم	نمبر شمار	فصیح عربی	سعودی حجازی لہجہ	اردو تراجم
1.	واحد	واحد	1	2.	اثنان	اثنين	2
3.	ثلاثه	تلاته	3	4.	أربعة	اربعه	4
5.	خمسة	خمسه	5	6.	ستة	سته	6
7.	سبعة	سبعه	7	8.	ثمانية	تمنية	8
9.	تسعة	تسعه	9	10.	عشرة	عشره	10
11	احد عشر	احد عش	11	12.	اثنا عشر	اطنعش	12
13	ثلاثة عشر	تلطعش	13	14.	اربعةعشر	اربعه عطش	14
15	خمسة عشر	خمسعطش	15	16.	ستة عشر	سطعش	16
17	سبعة عشر	سبعطش	17	18.	ثمانية عشر	تمنطعش	18

20	عشرين	عشرون	20.	19	تسعطعش	تسعة عشر	19.
40	اربعين	اربعون	22.	30	تلاتون	ثلاثون	21.
60	ستين	ستون	24.	50	خمسين	خمسون	23.
80	تمانين	ثمانون	26.	70	سبعين	سبعون	25.
100	مية	مائة	28.	90	تعين	تسعون	27.
300	تلتمية	ثلث مائة	30.	200	ميتين	مائتان	29.
500	خمسية	خمس مائة	32.	400	اربعميه	اربع مائة	31.
700	سبعميه	سبع مائة	34.	600	ستميه	ستة مائة	33.
900	تسعميه	تسع مائة	36.	800	تمنميه	ثماني مائة	35.
				1000	الف	الف	37.

تنبیہ:

مذکورہ تقابل سے تو واضح ہو رہا ہے کہ عصر حاضر کے عربیوں نے تو زمانہ رسالت کی عربی میں بالکل تغیر کر دیا حالانکہ افصح العرب تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات اقدس ہے لہٰذا عقل کا تقاضا ہے کہ جس طرح عربی تکلم زبان نبوۃ سے ہوا، ایسا ہی کہا جاتا ہے تو اس کا جواب ہے کہ زمانہ کے بدلنے سے جیسے احکام بدلتے ہیں ایسے ہی لسانیات میں اور انکی تعبیرات میں بھی تبدیلی آجاتی ہے اور مشہور مقولہ ہے لا مناقشة في الاصطلاح کہ اصطلاح اور عرف کے بدلنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا لہٰذا، اگر فصیح عربی کے حجازی لہجے میں بعض حروف بھی بدل جائیں تو کوئی حرج نہیں اس کی وضاحت کے لیے مزید چند امثلہ کو ذکر کیا جاتا ہے:

(1) کبھی ان لہجات میں قاف کو کاف سے تبدیل کر دیا جاتا ہے اور یہ ان کے سماع پر محمول ہے۔ مثلاً: قال سے کال (اس نے کیا)۔ قُل سے کل (تم کہ دو)۔

(2) کبھی کاف کو شین سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ر جلک سے رجُلش (تیرا پاؤں)۔

(3) کبھی پ کو ف سے تبدیل کر دیا جاتا ہے مثلاً راولپنڈی سے راولفندی۔

(4) کبھی ذال کو شین سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً تکذِبُ سے تَکشِبُ (تو جھوٹ بولتا ہے)۔

(5) ثاء کو کبھی تاء سے بدلا جاتا ہے۔ مثلاً ثلاجة سے تلاجة (فریج)۔ ثلاثة سے تلاتہ (تین)۔

(6) کبھی ہمزہ کو یاء سے بھی بدلا جاتا ہے ماء سے مئی یا مویا (پانی) وغیرہم۔

نکتہ علمیہ:

آخر سبب کیا ہوتا ہے زبر زیر کے بجائے مخارج کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا اور حد سے زیادہ تبدیلی بھی ہوتی چلی جاتی ہے کم از کم قلب مکانی کل رخذ، مر۔ اشیاء، شیآء کی طرح تبدیلی ہوتی پھر بھی سمجھ میں آتی ہے لہٰذا، اس کی کیا وجوہ ہو سکتی ہیں؟

جواب ان تغیرات کے پیچھے چند عوامل کر فرما ہوتے ہیں:

(1) تعجیل: جلدی کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔

(2) زبان پر خفت کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔

(3) لفظ کو مشکل سے آسان بنانا مقصود ہوتا ہے۔

(4) تدخیل: یعنی دوسری زبان کے الفاظ کے ساتھ مخلوط کرنا اور انہیں اپنی زبان کے رنگ میں ڈھالنا وغیرہم۔

عظیم فائدہ

مختلف لسانیات یعنی لیگویج میں دوران تکلم ایک عام شخص کے پیش نظر اپنے مافی الضمیر کا اظہار اس حد تک ہوتا ہے کہ مخاطب اس کی بات سمجھ سکے قطع نظر فصاحت وبلاغت صرف ونحو کی باریکیوں اور گرامر کے اصولوں کے یہی وہ نفسیاتی پہلو ہے جو زبانوں کے عام لہجوں کو وجود بخشتا ہے اور لسانی تغیرات کا باعث بنتا ہے۔

اس کی مثال آپ شیخ علامہ تاج الدین سبکی محمد بن هيبتہ الہ بن مکی حموی کا ریاضی کے متعلق سوال بھی بناسکتے ہیں۔

(1) اثنان من بعدهما تسعة　وسبعةمن قبلها اربع

(2) وخمسة ثم ثلاث ومن　بعد ثلاث ستة تتبع

(3) ثم ثمان قبلها واحد　فرتب الأعداد اذ تجمع(xix)

ترجمہ: (1) دو کے بعد نو اور سات سے پہلے چار۔

(2) اور پانچ پھر تین اور تین کے بعد چھ آتا ہے۔

(3) پھر آٹھ سے پہلے ایک آتا ہے، ان اعداد کو جمع کرکے ترتیب سے لکھو۔

اب اعداد کی جمع وترتیب کا دلچسپ نقشہ دیکھیں۔

4	9	2
3	5	7
8	1	6
15	15	15

اس مثال سے راقم کا مقصود یہ ہے کہ اگرچہ تین سطور میں اعداد مختلف تھے لیکن مقصود ایک تھا اور وہ چوتھی سطر میں سب کا پندرہ، پندرہ، پندرہ برابر آیا اس طرح لہجات کی اور مختلف قراءتوں کی مثال ہے۔

عربی گرامر کی نایاب مثالیں اور علمی نکات

ہم کوشش کرتے ہیں کہ کی چند نایاب مثالیں اور علمی نکات بیان کرتے ہیں تاکہ قارئین کے ئے غور وفکر اور تامل کا باعث بنیں ان کو حل کرنے کے بعد اس کے مشابہہ کوئی علمی نکتہ ذکر کریں گے تاکہ دلچسپ سے مزید دلچسپ تر ہو جائے۔

پہلا نکتہ: "ہذه السيارة لزيدٍ" یہ گاڑی زید کی ملکیت ہے۔"يا بكر لزيدًا" اے بکر زید سے دوستی کرلے وجہ اشکال یہ ہے کہ دونوں جگھوں پر زید کا لفظ اسم ہے ایک جگہ لام جارہ سے جر آنی چاہیے تھی؟ جارہ کی وجہ سے مجرور اور دوسری جگہ پر مجرور کے بجائے منصوب ہوگیا حالانکہ لام جارہ کی وجہ سے آنی چاہیے تھی؟

حل: کئی مقامات پر اسم پر فعل داخل ہو کر اس اسم کو اپنا مفعول یا فاعل بنالیتا ہے یہاں دوسرے جملے میں لام جارہ نہیں بلکہ یہ فعل ہے اور فعل ایک حرف بھی ہو سکتا ہے جس طرح وقی يقى سے امر فقط (ق ِ) آتا ہے رأى يرى سے فقط (رَ) آتا ہے یوں ہی ولی يلى سے امر فقط (لِ) آتا ہے اس کے اندر انت ضمیر مستتر اس کا فائل اور زید امفعول بہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہونے کے بجائے منصوب ہے اور اسم پر فعل داخل ہوتا رہتا ہے۔ مثلاان زید کَبِیر یہاں ان حرف نہیں بلکہ فعل ہے ان یان الخ سے اور بیر دراصل بئر تھا یعنی زید کنویں کی طرح ہے قاری کو ان سے غلط فہمی ہو جاتی ہے حالانکہ ان کلام کے شروع میں داخل نہیں ہوتا۔ لہذا اس عبارت کا مطلب ہے تو زید سے دوستی کر (لِ) کا معنی دوست ہوتا ہے جیسے الا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (xx) کہ اللہ کے دوستوں کو ڈر اور حزن نہیں ہے۔" (ل صیغہ واحد مذکر حاضر لفیف مفروق ہے) (یا یہ لِ متولی کے معنی میں ہے کہ تو زید کا متولی بن جا کہ وہ یتیم ہے۔)

دوسرا نکتہ: على زيد دين "زید پر ادھار (قرض) ہے" على زيد سقفا دونوں جگہ حرف جار علی ہے حالانکہ دوسری جگہ علی کے بعد جر کے بجائے رفع ہے حالانکہ علی جب بھی اسم پر داخل ہوتا ہے تو جر دیتا ہے مثلاً إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (xxi) پھر رفع کی وجہ کیا ہے؟

حل: اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے جملے میں علی جارہ نہیں بلکہ یہ فعل ہے علی یعلی علاء و علو سے جس کا معنی ہے بلند ہے جس طرح مولائے کائنات کا فرمان ہے من طلب العلى سهرا لليالى جو بلند رتبہ چاہتا ہے وہ راتوں کو بیداری کرے۔ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيا (xxii) اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند ہے رہے گا لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں جگہ علی جارہ نہیں ہے جیسے کوئی کہے عَلَى مُوسَى عَلَى فِرعَونَ اب بظاہر دونوں جگہ علی جارہ نظر آرہا ہے حالانکہ حقیقتاً پہلا علی فعل ماضی مثبت معروف ہے۔ جس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب ہوئے جس طرح ضرب المثل بھی بن گئی ہے لکل مبطل محق ولكل فرعون موسى۔ کہ ہر باطل کے مقابلے میں حق ہوتا ہے اور ہر فرعون ذہن والے کے لیے موسیٰ علیہ السلام جیسا حق پرست بھی پیدا ہوتا ہے لفظ علی بھی اس سے بنا ہے۔ (وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ)(xxiii)

تیسرا نکتہ: صار عمر و ذَاهِبَة "عمرو بخشش کرنے والا ہو گیا۔ مملكَة خالد ذاهبة" خالد کی بادشاہی رخصت ہو گئی۔ وجہ اعتراض و اشکال یہ ہے کہ دونوں جگہ پر لفظ ذاھبتہ ہے پہلی مثال میں مجرور دوسری میں مرفوع حالانکہ ذا ہمیشہ مضاف اور اس کے بعد مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔

حل: اس کا جواب یہ ہے پہلی مثال میں تو ذا اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے جس کا حالت نصبی میں اعراب الف کے ساتھ آتا ہے وہ مضاف ہے جس کی وجہ سے مابعد والا لفظ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو گیا اور هبة مصدر عدة کی طرح ہے اصل میں وعد بروزن فعل تھا اصول کے مطابق واؤ کی حرکت کسرہ باء کو دی اور اس کو گرا کر اس کے بدلے میں آخر میں تاء لگائی تو ھبة، و ھب سے مشتق ہوا جیسا کہ وعد سے عدة ہوا یہ مثال وادی وَھَبَ يَهَبُ هِبَةٌ سے ہے۔ اور دوسری مثال میں ذا خود کلمہ کی اصل ہے۔ ذَهَبَ يَذْ هَبُ ذَهبًا جس کا معنی ہے جانا اس کا معنی یہ ہوا کہ خالد کی بادشاہت جانے والی ہے مَملكَةُ خَالِدٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا اور ذاھبة اس کی خبر ہے جو کہ اسم فاعل فاعلة کے وزن پر ہے ھی ضمیر مستتر اس میں فاعل ہے لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ بظاہر کئی الفاظ مشاکلتہ لفظیہ کی وجہ سے بھی وجہ اشکال بن جاتے ہیں جس طرح مثلاً کوئی شخص کہے

مَن قَالَ قَالَ اللّٰہُ فَقَد کَفَرَ بظاہر تو لوگ اس کو کفریہ سمجھیں گے لیکن یہ مثال بلکل درست ہے کیونکہ پہلا قال کا معنی بات کرتا ہے اور دوسرا قال قیلولۃ سے ہے جس طرح حدیث شریف میں ہے:قیلوا فَإن الشیطان لا یقیل کہ، قیلولہ (دوپہر کو سونا) کیا کرو کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا لہٰذا مذکورہ عبارت کا معنی یہ ہو گا کہ جس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قیلولہ کرتا ہے اس نے کفر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:لا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نوم(xxiv) نیند تو کجا اسے تو اونگھ بھی نہیں آتی۔

چوتھا نکتہ: "العلم کَمَال"علم کمال ہے"العِلم کمال"علم مال کی طرح ہے۔بظاہر الفاظ ایک جیسے ہیں لیکن پہلے کمال پر رفع ہے مبتدا کی خبر واقع ہونے کی وجہ سے اور دوسرا کمال مجرور ہے بظاہر حرف جار بھی نہیں ہے وجہ اشکال یہ ہے کہ لفظ ایک ہی ہے اعراب کے اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

حل: تو اس کا جواب یہ ہے پہلا کمال تو مبتدا کی خبر کی وجہ سے مرفوع ہے جبکہ دوسرا کمال نہیں بلکہ کاف جارہ اور مال اس کا مجرور واقع ہو کر متعلق ثابت کے ہو کر اس کی خبر العلم کی خبر واقع ہو گا اس کا مطلب ہے کہ علم مال کی طرح خرچ ہوتا ہے یا عزت کا باعث بنتا ہے اور اس طرح کی عرب میں کئی امثلہ ملتی ہیں جہاں حرف جار کسی کلمہ کا جز ہو کر کا لکَلِمَةِ الوَاحِدَة ہو جاتا ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں بَطنُ زید کبیر اس میں وجہ اشکال یہ ہے کہ کوئی جز محذوف ماننے کے بغیر جملہ اسمیہ ہے اب بتلائیں کہ لفظ کبیر خبر ہے مبتدا کی یا صفت ہے زید کی؟ بہر صورت خبر مجرور کیسے؟ اور اگر صفت مانا جائے تو پھر خبر مبتدا کی تعیین مطلق ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کبیر میں کمال کی طرح کاف بطور تشبیہ کے ہے اور بیر بئر سے بنا ہے جس کا معنی کنواں ہے اب ترکیب بھی درست ہو گی بطن زید مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا یہ جار مجرور اپنے متعلقات سے مل کر خبر ہوں گے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہے مطلب یہ ہے کہ زید کا پیٹ کنواں نما ہے۔

پانچواں نکتہ:ان زیدا کریم"بلاشبہ زید معزز یا سخی ہے۔ ان زیدا فطین"زید ذہین رویان عمرو کریم عمرو اونٹنی کی طرح رویا یا ہرن کے بچہ کی طرح رویا یا میل کچیل کی طرح ہے۔

حل: پہلی مثال میں تو کوئی اشکال نہیں زیدا اسم ان منصوب ہے کریم خبر ان ہو کر مرفوع ہے اور دوسری مثال میں اشکال ہے کیونکہ ان کے بعد زید مرفوع ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ان حرف تحقیق ہوتا ہے جو وسط وکلام میں واقع ہوتا ہے اور ایک ان فعل ہوتا ہے ان یان انینا جس کا معنی روتا ہوتا ہے اب ان کے بعد زید مرفوع اس کا فاعل ہونے کی وجہ سے ہے اور پہلی مثال میں نصب ان کا اسم ہونے کی وجہ سے ہے اور تیسری مثال کا جواب ہے کہ ان یأن انینا یہاں بھی رونے کے معنی میں ہے لہٰذا عمروا اس کا فاعل ہے اس وجہ سے مرفوع ہے اور کریم کے مجرور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کریم میں کاف تشبیہ ہے کریم مجرور ہے ان کا معنی یہ ہوا کہ عمرو رویا خالص سفید اونی یا ہرن کے رونے کی طرح(xxv) اعلم أن عمرا قاری تم خوب جان لو کہ بے شک کیا عمر قاری ہے حالت نصب جب متعین ہو تو عمر کے بعد واؤ نہیں بلکہ رسم الخط میں الف نشانی ہوتی ہے۔جس کی وجہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے اعلم مقام تحقیق کے لیے بھی آتا ہے پھر اقاری سے استفہام کیسے ہو گیا گویا کہ یوں کہا جا رہا ہے اعلم ان عمرا اقاری کہ خوب جان لو کہ بے شک کیا عمر قاری ہے جو کہ مطلب غلط بنتا ہے۔

چھٹا نکتہ:یا رشیدة في النذر "اے رشیدہ نذر کو پورا کر"اس مثال میں النذر کی نصب وجہ اشکال ہے کیا کہ فی جاہ کا تقاضا یہ ہے کہ النذر مجرور ہو لیکن اس کو منصوب پڑھا جاتا ہے واضح کریں؟

حل: اس کا جواب یہ ہے فی اکثر ندا اور منادی کے درمیان فعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے وفی یفي وفاء سے امر ہے صیغہ واحد مونثہ مخاطبہ ہے اس کا معنی ہے اے رشیدہ تو نذر کو پورا کر۔ اب جب امر ہے تو اب النذر اس کا مفعول بہ ہے اس وجہ سے یہ منصوب ہو گا جیسا کہ کوئی شخص کہے یوسف زلیخا اب اس جملہ میں بھی اشکال ہے لفظ یوسف رشیدہ کی طرح معرفہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ معرفہ مضاف نہیں ہوتا اور مرکب مفید بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ زلیخا علم ہے اور علم کا ما قبل پر حمل درست نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرکب مفید جملہ فعلیہ ندائیہ ہے اور قول مذکور کے شروع میں حرف ندا محذوف ہے اور لفظ یوسف کے اندر ف صیغہ امر (قِ) کی طرح ہے اور وفی یفی سے بمعنی وفاداری کرنا اور یوس منادی مرخم ہے یوسف سے یعنی مخفف ہے یوسف سے اور اصل تقدیر عبارت یوں ہے یا یوسُف فِزلَیْخَا اے یوسف زلیخا سے وفاداری کر۔

ساتواں نکتہ: الماء في الحبير ةبارد جھیل میں پانی ٹھنڈا ہے۔" اس میں اشکال دو طرح کا ہو سکتا ہے اولین تو یہ کہ الجیرۃ مجرور کیوں ہے اسے النذر کی طرح منصوب ہونا چاہیے کہ یہ مفعول ہے۔

حل: اس کا حل یہی ہے کہ یہاں فی جارہ ہے فعل کے طور پر استعمال نہیں ہوا دوسرا بارد پر اگر عرب نہ لگے ہوں تو امر کا بھی احتمال ہو سکتا ہے باب مفاعلہ سے ہے اور باب مفاعلہ کا خاصہ مشارکت ہے یعنی دونوں بندوں کا ایک کام میں شریک ہونا ہوتا ہے تو اب معنی بنے گا جھیل کے اندر پانی ہے تم دونوں مل کر اس کو ٹھنڈا کر و یہ خلاف مفروضہ ہے اس لیے یہ اعراب لگا دیا تا کہ اشکال نہ ہو۔

آٹھواں نکتہ: رائحَة في الصائم أطيب روزہ دار کے منہ کی بو زیادہ پاکیزہ ہے بظاہر یہی ہے کہ فی حرف جار الصائم مجرور ہے حالانکہ یہ فی حرف نہیں بلکہ اسم ہے۔

حل: تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اہم ہے جس طرح دوسری روایت میں یوں الفاظ میں فم الصائم أطيب . عِند الله من ريح المسك کہ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشبودار ہے۔ فم دراصل فوۃ تھا جس پر دلیل یہ ہے کہ اس کی جمع مکسر افواہ تثنیہ فوا۔ اور نحوی قانون یہ ہے کہ التَّصَاغِيرُ وَالتَّكَاسِيرُ تَردان الشّي إلي أصله کسی چیز کی تصغیر میں اور جمع تکسیر میں اس کو اپنی اصل کی طرف لوٹاتی ہیں جیسے اہل میں ھا ہے دلیل یہ ہے کہ اس کی تصغیر اھیل میں ھا موجود ہے یوں ہی ارض مؤنث ہے اگرچہ اس میں تا نہیں لیکن اصل میں ارضہ تھا دلیل یہ ہے کہ اس کی تصغیر اُرَيضَة ہے یوں ہی رَجُلٌ کی جمع رِجَال تصغیر رُجَيلٌ دلیل یہ ہے کہ فم کی اصل فوۃ تھی پھر یاء کو خلاف قیاس گرا دیا گیا ہے فو ہو گیا اب اس واؤ کو اگر باقی رکھا جائے تو اس پر اعراب جاری ہو گا تو یہ واؤ متحرک ہو جائے گی پھر قال والے قانون کے مطابق واؤ کو الف سے بدلا جائے گا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے الف گر جائے گا اور نون تنوین باقی رہ جائے گی اور لازم آئے گا کہ اسم معرب ایک حرف پر باقی رہ گیا ہے جو کہ ناجائز ہے اس لیے ان قوانین اور تغیر تبدیلی سے بچانے کے لیے واؤ کو میم سے بدل دیا کیونکہ واؤ اور میم دونوں کا مخرج شفوی ہے اور جس وقت اس کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے گی تو واؤ کے بدلنے کا جو سبب تھا وہ باقی نہیں رہے گا اس لیے واؤ کو واپس لایا جائے گا تو فوی ہو جائے پھر مسلموی والے قانون کے مطابق واؤ کو یاء کر کے ادغام کیا جائے گا اور یاء کی نسبت سے ماقبل کو کسرہ دیا جائے گا توفی ہو جائے گا اب بعض نحوی فی پڑھتے ہیں اور بعض نحوی فی پڑھتے ہیں خلاصہ کلام یہ ہوا کہ لفظ فی اسم کے طور پر یہاں استعمال ہوا ہے اس کا معنی منہ ہے لہذا اب اس کا معنی ہو گا روزہ دار کے منہ کی بو سب سے زیادہ اللہ کے ہاں پاکیزہ ہے۔

نوواں نکتہ: زید اسیر "زید قیدی ہے انی أسيرُ اليَومَ إلَى القَريَةِ" آج کے دن میں گاؤں کی طرف چلوں گا یا سیر کروں گا۔

حل: زید اسیر مبتدا خبر ہے زید قیدی ہے یہ تو درست ہے جس طرح یہ لفظ قرآن مجید میں بھی آیا ہے يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (xxvi) لیکن یہی لفظ دوسری جگہ اس معنی میں نہیں ہے کیونکہ انی اسیرُ الیومَ إلَى القَريَةِ کا معنی بنے گا کہ میں آج کے دن گاؤں کی طرف قیدی ہوں تو مطلب غلط ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سَارَ يَسِيرُ سَيْرًا بَاعَ يَبِيعُ بَيْعًا کی طرح باب فَعَلَ يَفْعِلُ سے ہے جس کا معنی ہے سیر کرنا اور یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بلاشبہ میں آج کے دن گاؤں کی سیر کروں گا یا سفر کروں گا یا چلوں گا جس طرح قرآن مجید میں ہے: قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ (xxvii) محبوب فرمادیجئے زمین میں سیر کرو اور سرکار کی سیر کا خود ذکر فرمایا سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ (xxviii) لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک لفظ جب دو یا دو سے زیادہ معنوں میں استعمال ہو تو قرینہ اور سیاق وسباق کے مطابق اس کا معنی لیا جائے گا لہذا مفتی کے پاس جب کوئی عربی عبارت پیش ہو تو وہ اس اصول کے مطابق فتوی دیں مثلاً ایک شخص نے یہ جملہ بولا من صلی علی النبی فاقتلوہ۔ اس جملے پر غور کریں کہ اس کا کہنے والا مسلمان ہو سکتا ہے؟ بلکل مسلمان ہے اگر آپ غور کریں گے تو یہ جملہ بلکل درست پائیں گے اس میں صلی کا صلہ علی آیا ہے قرینہ کے مطابق اس کا معنی اگر چہ دعا بھی آتا ہے جیسے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلوتَكَ سَكَن لَّهُمْ (xxix) لیکن یہاں اس کا معنی بد دعا ہے اب معنی بلکل واضح ہے کہ جس شخص نے آپ کے لیے بد دعا کی اس کو قتل کر دو یوں ہی کبھی کبھار باب کے بدلنے سے معنی بدل جاتا ہے۔ سارَ يَسَار فَعَل يفعل کے باب سے معنی قیدی ہے لیکن فَعَلَ يفعل کے باب سے لایا جائے تو اب اس کا معنی چلنا سیر کرنا سفر کرنا وغیرہ۔

گرامر کی فقہی مسائل میں کیا ضرورت؟

ایک رات ہارون الرشید نے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کو لکھا کہ اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے ان اشعار کے متعلق فتوی دیجئے۔

فان ترفق يا هند فالرفق ايمن	وان تخرقی يا هند فالخرق اشام
فانت طلاق والطلاق عزيمة	ثلاثا ومن يخرق اعق واظلم
فبينى بها ان كنت غير رفيقة	وما لامرىء بعد الثلاث مقدم

ترجمہ:

(1) اے ہندہ! اگر تو نرم برتاؤ کرے تو یہ مبارک عمل ہے، اور اگر تو بیوقوفانہ حرکتیں کرے تو یہ منحوس حرکت ہے۔

(2) تجھے طلاق ہے، اور طلاقیں تین ہوتی ہیں، جو بیوقوفانہ حرکت کرتا ہے، وہ بڑی ہی نافرمانی اور بڑا ہی ظلم کرتا ہے۔

(3) اگر تو رہنا نہیں چاہتی تو طلاق لے کر جدا ہو جا، اور تھی لاتوں کے بعد آدمی کے لئے آگے بڑھنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

ہارون نے کہا کہ اشعار میں "عزيمة ثلاث" کا لفظ عَزِيمَةٌثلاث بھی پڑھا گیا ہے اور عَزِيمَةً ثَلاثًا بھی، رفع کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی اور نصب کی صورت میں کتنی واقع ہوں گی؟۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اشعار دیکھ کر فرمایا: یہ مسئلہ فقہی بھی ہے اور نحوی بھی، اگر میں محض اپنی رائے سے جواب دوں تو یقیناً غلطی سے محفوظ نہیں رہوں گا، اور اگر یہ کہوں کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں ہے تو لوگ کہیں گے کہ اگر انہیں ان پیش آمدہ مسائل کا علم نہیں تو یہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کیسے بن گئے؟ پھر فرماتے ہیں کہ سوچ وبچار کے بعد مجھے ابو الحسن علی بن حمزہ الکسائی جو لغت اور نحو کے امام ہیں یاد آئے، میں اور وہ ایک گلی میں رہتے تھے، میں نے اپنی لونڈی سے کہا: چراغ لے کر میرے آگے آگے چل میں امام کسائی کے پاس پہنچا تو وہ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، میں نے ہارون کا خط انہیں تھما دیا، انہوں نے ایک نظر پڑھنے کے بعد کہا: "کاغذ قلم لو اور لکھو: جس نے شعر رفع کے ساتھ پڑھتے ہوئے یوں کہا ہے

عَزِيمَةٌ ثلاث تو اس نے اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دی ہے اور وہ "و الطلاق عَزِيمَةٌ ثَلَاث" سے اپنی بیوی کو یہ بتلانا چاہتا ہے کہ طلاق کی کل تعداد تین ہے، اس سے زیادہ طلاق نہیں ہوتی، اور جس نے شعر نصب کے ساتھ "عَزِيمَةٌ ثَلَاثًا" پڑھا ہے اس نے اپنی بیوی کو پوری تین طلاقیں دی ہیں، اور دوسرے لفظوں میں اس نے صاف صاف یوں کہا ہے کہ "انتِ طالق ثلاثا" (یعنی تجھے تین طلاقیں ہیں)۔(xxx)

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہی جواب آگے ہارون کے پاس بھیج دیا، رات کے آخری پہر ہارون کے خدام میرے پاس بہت سے انعامات اور عطیات لے کر آئے، میں نے وہ سب امام کسائی کے گھر بھجوا دیے۔(xxxi)

دسواں نکتہ: السلطان انام الانام فی ظل الامان۔ بادشاہ نے مخلوق کو سکون کے سائے میں سلایا۔

حل: اب اس مقولہ میں بظاہر لفظ انام مکرر محسوس ہوتا ہے اور اہل عرب تکرار بے جا سے بچتے ہیں لیکن حقیقتاً پہلا فعل ہے دوسرا اسم ہے پہلے کا معنی سونا ہے اور یہ نوم سے ماخوذ ہے جس کا معنی سلانا ہے جس طرح فرمان رسالت ہے: تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي(xxxii) کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور دوسرا انام کا معنی مخلوق ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے الأَرْضَ وَضَعَهَا لِلا نام(xxxiii) اور دیوان متنبی کا مشہور شعر ہے: فان تفق الانام و انت منهم　　فان المسک بعض دم الغزال(xxxiv)

شاعر اپنے ممدوح کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اگر تو مخلوق میں فائق اور بلند رتبے والا ہو گیا ہے حالانکہ تو بھی مخلوق میں سے ہے تو کوئی تعب کی بات نہیں کیونکہ کستوری بھی تو ہرن کے خون کا حصہ ہے خلاصہ یہ نکلا کہ لفظ انام مشترک ہے اور مشترک لفظ کے کئی معانی ہوتے ہیں کسی جگہ کوئی اور کسی جگہ کوئی مراد ہوتا ہے ہم مزید وضاحت کے لیے ایک عجیب و غریب جملہ پہیلیوں کے اختتام پر عرض کر دیتے ہیں تاکہ ہمارا بھی حصہ بقدر جثہ ہو جائے اور وہ جملہ اس کی مثال بنے گا کہ جس طرح لفظ مخلوق کے لیے مخلوق بھی انام بھی استعمال ہوتا ہے یا انام دو الگ الگ معنوں میں مستعمل ہوا یہ بھی اسی طرح ہے۔

گیارہواں نکتہ: لَقِيَنِي زَيدٌ زید مجھے بچاتا ہے۔

حل: بظاہر لقین کا لفظ مشہور ہے اور نون وقایہ ہے اور نون وقایہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہے لیکن یہ ترکیب مقصود متکلم کے خلاف ہے کہ میرا یقین زید ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اہم نہیں بلکہ وقی یقی سے فعل ہے جس کا معنی بچانا ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ(xxxv) ہم کو جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔ اس کی مثال رجلا ہے اور یہ مکمل جملہ ہے اب بندہ سوچتا ہے کہ رجلاً مکمل جملہ بھی ہے اور ایک ہے اور اس سے پہلے بھی اور بعد میں بھی نہ اسم ہے نہ فعل؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور رجلا مفعول بہ ہے اور ر امر ہے اس کا معنی ہے تو جل کو دیکھ اہل عرب کہتے ہیں الْجُلُ لِلْفَرَسِ۔

نتیجہ

عربی زبان اپنی ساخت، تاریخ، دینی مرکزیت اور لسانی محاسن کے اعتبار سے وہ عظیم ورثہ ہے جس نے نہ صرف اسلامی تہذیب کو علمی بنیاد فراہم کی بلکہ انسانیت کی فکری ترقی میں بھی گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ قرآنِ مجید، احادیثِ نبویہ، فقہی مباحث، کلام، تصوف اور اسلامی تاریخ—سب اسی زبان کے ذریعے ہم تک صحیح معنوں میں منتقل ہوئے۔ اس لیے عربی کی جامعیت، الفاظ کی وسعت، اشتقاقی قوت، فصاحتی اصول اور گرامری نظام اسے دنیا کی زبانوں میں ممتاز بناتے ہیں۔ تحقیق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عربی کی تدوین، نحو و صرف کی تشکیل، ائمۂ لسانیات کی کاوشیں، اور مختلف لہجات کی ارتقائی شکلیں اس زبان کی تاریخی گہرائی کا ثبوت ہیں۔ معاصر دور میں اگرچہ لہجاتی تبدیلیاں اور عوامی استعمال میں بعض انحرافات

پائے جاتے ہیں، تاہم کلاسیکی عربی آج بھی پوری قوت اور استحکام کے ساتھ زندہ ہے۔ یہی وہ عربی ہے جو اسلامی علوم کی اساس ہے اور جس کے بغیر قرآن وسنت کے معانی تک رسائی ناممکن ہے۔ آخر میں یہ نتیجہ ابھر کر سامنے آتا ہے کہ عربی زبان کا سیکھنا، اس کی گرامر کو سمجھنا اور اس کی لغوی وسعت سے فائدہ اٹھانا ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو دین کو اس کی اصل روح کے ساتھ سمجھنے کا خواہاں ہے۔ چنانچہ عصرِ حاضر میں عربی زبان کی تعلیم وترویج نہایت اہم بن چکی ہے، تاکہ نئی نسل اس میراث سے جڑ سکے جو صدیوں سے امتِ مسلمہ کا علمی اور روحانی سرمایہ رہی ہے۔

حوالہ جات وحواشی/References

[i] الخفاوی، محمد ابراہیم، معجم غریب الفقہ والاصول، قاہرہ: مطبوعہ دارالحدیث، سن طباعت 2009ء۔ ص614

[ii] سرہندی، وارث، علمی اردو لغت، لاہور: مطبوعہ علمی کتب خانہ، سن طباعت 2003ء۔ ص1499

[iii] عصمت، ابو سلیم، المنجد، لاہور: مطبوعہ مکتبہ دانیال، سن طباعت 2014ء۔ ص1079

[iv] خیل، محمد زاہد، اصابۃ النحو شرح ھدایۃ النحو، پشاور: مطبوعہ مکتبہ زاہدیہ، سن طباعت 2007ء۔ ص11

[v] مولانا، عبدالہادی، بدر السعید شرح نحو میر، قلات: مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کورکی منگچر، سن طباعت 2013ء۔ ص19

[vi] شمیلۃ، عبدالرحمن بن عبدالرحمن، النحو المستطاب سؤال وجواب واعراب، ریاض: مطبوعہ دار طیبہ، سن اشاعت 1997ء۔ ص5

[vii] مولانا، رشید احمد، معارف الکافیہ وعوارف الجامی، سوات: مطبوعہ المدرسۃ العربیہ قاسم العلوم، سن اشاعت 2006ء۔ ص3

[viii] سیالکوٹی، محمد بشیر، (م2016ء) درس نظامی کی اصلاح اور ترقی، اسلام آباد: مطبوعہ دار العلم آب پارہ مارکیٹ، سن طباعت 2013ء۔ ص350

[ix] سورۃ التوبۃ 3:9

[x] امیل، بدیع یعقوب، موسوعۃ النحو والصرف والاعراب، بیروت: مطبوعہ دار العلم للملایین، سن طباعت 1991ء۔ ص673

[xi] عبد البر، محمد قاسم، تاریخ علم نحو اور علماء نحو کے حالات، ملتان: مطبوعہ مکتبی قاسمیہ، سن طباعت 1997ء۔ ص7

[xii] نیشاپوری، ابوعبداللہ بن حاکم، (م1014ء) مستدرک علی الصحیحین، مکۃ المکرمہ: مطبوعہ دار الباز، سن اشاعت 2000ء۔ رقم: 7078، ج4، ص183

[xiii] سورۃ طٰہٰ 122:20

[xiv] الاسکندری، محمد بن عبد الواحد، (م1457ء) فتح القدیر، کوئٹہ: مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، سن اشاعت۔ ج1، ص249

[xv] نیشاپوری، ابوعبداللہ بن حاکم، (م1014ء) مستدرک للحاکم، مکۃ المکرمہ: مطبوعہ دار الباز، سن اشاعت 2000ء۔ ج4، ص78

[xvi] الاسکندری، محمد بن عبد الواحد، (م1457ء) فتح القدیر، کوئٹہ: مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، سن اشاعت۔ ج1، ص249

[xvii] الذہبی، شمس الدین، (م1374ء) سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج1، ص75

[xviii] الرازی، محمد بن عمر، (1210ء) المحصول في علم اصول الفقہ، جلد1، ص275

[xix] تاج الدین، عبدالوہاب بن علی، (م1370ء) السبکی طبقات، بیروت: مطبوعہ دار المعرفہ، سن اشاعت 1990ء۔ ج7، ص25

[xx] سورۃ یونس 62:10

[xxi] سورۃ البقرۃ 20:2

[xxii] سورۃ التوبہ 40:9

(xxiii)سورۃ البقرۃ2:255

(xxiv)سورۃ البقرۃ2:255

(xxv)عصمت، ابو سلیم، المنجد، لاہور: مطبوعہ مکتبہ دانیال، سن طباعت 2014ء۔ ص297

(xxvi)سورۃ الدھر 8:76

(xxvii)سورۃ الانعام 11:6

(xxviii)سورۃ بنی اسرائیل 1:17

(xxix)سورۃ التوبۃ 103:9

(xxx)مولانا، محمد قاسم، لطائف نوادر، لاہور: مطبوعہ ادارہ اسلامیات، سن طباعت 2005ء۔ ص357،358

(xxxi)الزجاجي، عبد الرحمن بن اسحاق، (م944ء) کتاب المجالس والمنتخبات من کتب اللغويين والنحويين، قاہرہ: مطبوعہ مکتبۃ الخانجی، سن اشاعت 1083ء۔ ص338

(xxxii)بخاری، محمد بن اسماعیل، (م870ء) صحیح بخاری، کراچی: مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، سن طباعت 1961ء۔ ج1، رقم:1147

(xxxiii)سورۃ الرحمن 10:78

(xxxiv)المتنبی، احمد بن الحسین، (م965ء) دیوان المتنبی حاشیہ اتقان الملتقی، کراچی: مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، سن اشاعت 2015ء۔ ص42

(xxxv)سورۃ آل عمران 16:3